آس پاس

www.HallaGulla.com

احمد ندیم قاسمی

بہت پیارے

گلزار کے نام

جو فلمی ہدایتکاری، گیت

نگاری اور مکالمہ نویسی میں غیر

فانی شہرت رکھنے کے علاوہ ایک

بڑے افسانہ نگار بھی ہیں

Virtual Home
for Real People

فہرست

۱۔ارتقاء ۳

www.HallaGulla.com
Virtual Home
for Real People

ارتقاء

چاند خان کے گال پر ایک بھرپور طمانچہ رسید کر کے بڑھیا نے محسوس کیا کہ اس کے اعصاب سلاخوں کی طرح اڑ کر اس کی نسوں میں گھسے جا رہے ہیں۔ زبان جڑ تک خشک ہو چلی ہے۔ اور کانوں میں تھالیاں بج رہی ہیں۔ حلق میں پھنسی ہوئی چیتھڑوں کو گیند کو اگلنے یا نگلنے کی کوشش میں اس نے بھوسلے سر کو کاندھوں تک اٹھے ہوئے گھٹنوں میں چھپا لیا اور چلائی۔ ''چاند کے بابا''

لیکن چاند کا ابا تو باہر گلی میں رام لال کے پتا پرشوتم داس سے خلافت کے زمانے کی باتیں کر رہا تھا۔ اور پھر چاند خان جو تو دس برس کی عمر میں پہلی مرتبہ غصیلی ماں کے چانٹے سے لذت یاب ہوا تھا کچھ دیر مبہوت رہنے کے بعد اس زور سے رونے لگا کہ پڑوسن بھی ہنڈیا و خلاف معمول اکیلا چھوڑ کر دیوار پر سے جھانکی۔ ''اے کیا ہوا اللہ رکھے چاند کو؟''

۔۔۔۔۔۔۔ اور پھر ہنڈیا کی طرف لپکی۔۔۔۔۔۔۔ ''چند کے ابا'' بڑھیا کے گلے میں خشک چیتھڑوں کی گیند ٹھنس کر رہ گئی تھی۔ ادھر پرشوتم داس بڑا صابر سامع ثابت ہو رہا تھا اور بوڑھے کی لمبی تقریر سننے کے لئے دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا تھا۔۔۔۔۔ ''ان آنکھوں سے دیکھا سب کچھ، پر اب کتنا عجیب سا لگتا ہے۔ ایک ہی میدان میں ہندو اور مسلمان اور سکھ! کبھی مسلمان تقریر کرتا ہے، کبھی ہندو پنڈت اور کبھی سکھ گرنتی۔ نعرے بلند ہوتے ہیں اللہ اکبر اور بندے ماترم اور ست سری اکال کے گیت گائے جاتے ہیں گاندھی اور محمد علی کے۔ کہیں چاند تارا نظر آتا ہے۔ کہیں چرخہ اور کہیں کرپانیں!۔۔۔۔۔۔ اور پھر بھائی پرشو! جانے کیا بپتا پڑی کہ بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ آپس میں جھگڑنے لگے اور انگریز نے اطمینان کی سانس لی۔ اور اب تک اس کا اطمینان قائم ہے۔ اب تک مسجد اور باجا اور گائے اور جھٹکا کی رٹ چلی جا رہی ہے۔ وہی دنگے فساد ہیں اور چین دھاڑ رہے ہیں اور لوٹ کھسوٹ ہے، اور حاکم خوش ہے، اور ہم وہی کنوئیں کے مینڈک! ہر پھر کر وہیں کے وہیں! کاش ان میں پھر سے ایکا ہو جاتا، اور پرشو بھیا۔ یہ کوئی اتنی مشکل بات بھی تو نہیں، اب ہمارا یہ ننھا سا گاؤں ہے۔ ہندوؤں سکھوں کے یہی آٹھ دس گھر ہوں گے پر خدا لگتی کہنا پرشو بھیا۔ کبھی تمہیں یا تمہارے بھائیوں کو مسلمانوں نے چھیڑا؟ نہیں نا؟ کتنے میٹھے لگتے ہو تم جب ہماری خوشیوں اور غموں میں شریک ہوتے ہو۔ تمہیں یاد ہے نا گئے برس تمہارا منڈت آیا تھا یہاں مندر میں روشنی کی ضرورت پڑی تو ہم نے اپنی مسجد کا گیس بھجوا دیا۔ یاد ہے نا؟ یہ بھولنے کی باتیں ہی نہیں،۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور اب تم یہ شکایت لے کر آئے ہو کہ چاند نے رام لال کے گھونسا مارا اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہو کہ تم ہندو ہو اور ہم مسلمان ہیں، اور تم کم ہو اور ہم زیادہ ہیں۔ ارے بھیا پرشو۔ ایسی ہی بات تھی تو مسلمانوں کے ڈیڑھ دو سو گھروں کے مقابلے میں تمہارے آٹھ دس گھر وندے کیا حقیقت رکھتے تھے۔ ٹھیک ہے نا؟ پھر میں نے حیران ہو کہ تمہارے منہ سے ایسی بات کیوں نکلی!''۔۔۔۔۔ بوڑھا مونچھوں اور داڑھی میں اٹکے ہوئے جھاگ کے قطروں کو پونچھنے کے لئے رکا۔

پرشوتم داس نے پہلو بدل کر کہا۔ ''اخباروں میں پڑھا ہے کہ جہاں جہاں مسلمان زیادہ وہاں ہندوؤں کو رہنے نہیں دیں گے اور ہولے ہولے چوری چھپے مسلمانوں نے یہ کام شروع بھی کر رکھا ہے۔''

بوڑھے کی سنجیدگی پر غصہ غالب آ گیا۔ ''تو کیا میں کل ملکی لاٹ ہوں کہ ہر مسلمان کا ذمہ اٹھالوں۔ ارے ایک بار نہیں دو بار نہیں، سو بار کہا کہ دونوں بچے تھے۔ چاند نے غلطی کی جو رام لال کے گھونسا مارا۔ تم ساری بات کو یوں سمجھنے کی کوشش کرو، کہ ایک بچے نے دوسرے بچے کو پیٹا مسلمان اور ہندو کا جھگڑا بیچ میں نہ گھسیٹو۔ قسم خدا کی، دوسرے مسلمانوں کی نیتوں کی تو وہی جانے، اپنے بارے میں تو اتنا کہہ سکتا ہوں، کہ میرے دل میں تمہاری طرف سے کبھی میل نہیں آیا۔ تم میرے خدا کو اچھا کہتے ہو، میں تمہارے ماتما کی عزت کرتا ہوں۔ تم نے میرے محمد ﷺ پر انگلی نہیں اٹھائی، میں نے تمہارے رام میں کوئی نقص نہیں نکالا۔ اس حالت میں کیا میرا دماغ خراب ہے کہ اپنے معصوم بچے کے دل میں تمہارے خلاف نفرت کا بیج بودوں، لعنت ہو ان اخباروں پر۔''

پرشوتم داس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''میرا مطلب تھا ذرا سمجھا دو اسے۔''

''یہ تو میرا فرض ہے۔'' بوڑھا بولا۔ ''تم نہ کہتے تو بھی میں اسے سمجھا دیتا۔''

پرشوتم داس جاتے ہوئے بولا۔ ''ایک چانٹا لگ جائے اس کے تو بہتر رہے گا۔''

''نہیں بھئی، چانٹا نہیں لگنے کا۔'' بوڑھے نے کہا۔ ''خفا نہ ہونا چاند کے گال چانٹوں کیلئے گلابی نہیں بنائے۔ باتوں باتوں میں سمجھا دوں گا۔ سعادت مند بیٹا ہے۔ باپ کا کہا نہیں ٹالے گا۔''

''مرضی تمہاری۔'' پرشوتم داس نے نکڑ پر سے مڑتے ہوئے کہا۔

''چانٹا لگ جائے۔'' بوڑھا بڑبڑاتا ہوا گھر کو پلٹا۔ ''چاند کے چانٹا لگ جائے۔ ان ہاتھوں میں کیڑے نہ پڑ جائیں تو چاند کے چانٹا لگائیں!''

''چاند کے ابا۔'' چیتھڑوں کی گیند بڑھیا کے حلق میں پوری شدت سے پھنسی ہوئی تھی۔ ''چاند کے ابا۔''

بڑھیا کی آواز اور چاند کے رونے کی آواز سن کر بوڑھا لپکا۔ چاند کو گلے لگا لیا اور پیار سے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟ کیا ہوا میرے چاند؟''

''میں نے چاند کے چانٹا لگا دیا۔۔۔۔ غلطی سے۔'' بڑھیا بھوسلے سر کو سوکھے سڑے گھٹنوں کے شکنجے سے نکال کر اور بانہیں پھیلا کر چاند کی طرف بڑھی اور اسے چوم لینا چاہا۔

مگر بوڑھا پیچھے ہٹ گیا اور بولا۔ ''نہیں چومنے دوں گا۔ خود ہی چرکا لگاتی ہے۔ خود ہی پھاہا رکھتی ہے اس پر۔ دس برس کی قسم توڑ ڈالی۔ ہاتھ نہ کٹ گئے تیرے۔ جب تو نے اس گلاب کے پھول۔۔۔۔''

مگر بڑھیا نے جھپٹ کر چاند کو چوم لیا۔

پڑوسن ایک مرتبہ پھر دیوار سے جھانکی۔ ''پہلی بار رویا ہے چاند۔۔۔۔ کیا ہوا؟''

''اے بی بی ہونا کیا تھا۔ مجھ نباب جادی نے غصے میں آ کر۔۔۔۔'' بڑھیا رک گئی۔ کیونکہ پڑوسن ہنڈیا کی طرف لپک گئی تھی۔ اور دیوار پر پڑوسن کے سر کے بجائے ایک کوا بیٹھا تھا۔

''پگلی۔'' بوڑھا بڑبڑایا۔ اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

چاند کے چانٹا لگانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ بوڑھے بڑھیا کو اپنے اکلوتے وارث کی اہمیت کا ضرورت سے زیادہ احساس تھا۔ ۱۸۔۱۹۱۴ء کی جنگ میں یورپی قوموں کی بقا کے لئے وہ اپنے دو نوجوان بیٹے قربان کر چکے تھے۔ بیٹوں کی موت کی اطلاع کے دو روز بعد انہیں چھوٹے بیٹے کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک خط ملا تھا کہ اب وہ بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح مونچھوں کو تاؤ دیتا ہے اور فرانس کی ایک لیڈی نے اس کی مونچھوں کے سنہری تار دیکھ کر کمپنی کمانڈر سے کہا ہے کہ یہ سپاہی بالکل فرانسیسی لگتا ہے!۔۔۔ اس روز وہ دونوں کتنا روئے تھے۔ اندھیرے کوٹھے کے کواڑوں کو زنجیر چڑھا کر انہوں نے لٹے ہوئے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔ ایک ساتھ ان کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے۔ ایک ساتھ وہ بلبلا اٹھے تھے۔ اور پھر ایک ساتھ ان کے لبوں سے ایک لفظ نکلا تھا۔ ''قسمت۔''

۱۹۱۸ء میں جب خاتمہ جنگ کا اعلان ہوا اور ان کے ضلع کے صدر مقام میں کسی صاحب نے دربار لگایا تو بھی جا پہنچے کہ فرانس کی خاک میں دبی ہوئی سنہری مونچھوں کا واسطہ دے کر صاحب سے یہ التجا کریں کہ وہ انہیں ہل، نلائی، رکھوالی اور کٹائی کے جھنجھٹوں سے چھٹکارا دلائے۔ لیکن سنہری پیٹیوں اور سرخ کوٹوں والے نمرود صورت اردلیوں نے انہیں دھتکار دیا۔ بڑھیا مدت تک بوڑھے کو کوستی رہی کہ اس نے اپنی پگڑی کو کلف کیوں نہ لگوائی۔ جب دربار میں رسائی کا ذریعہ مرے ہوئے بیٹوں کے بجائے کلف لگا طرہ اور تیل لگی مونچھیں تھی۔

ان کی گودیں اجڑ چکی تھیں۔ مستقبل کی چمک کو گرہن لگ چکا تھا۔ امیدوں نے اپنے ہاتھوں اپنی چھاتیوں میں خنجر گھونپ لئے تھے۔ تحریک خلافت کے دنوں میں اچانک بوڑھے کے دل میں اپنے بیٹوں کی یاد ایک عجیب زہریلی صورت اختیار کر گئی۔ گاؤں بھر میں بلند ترین جھنڈا اس کا تھا بلند ترین نعرہ اس کا تھا۔ بلند ترین دعویٰ اس کا تھا۔ ان پڑھ ہونے کے باوجود اس نے بڑے بڑے جلسوں میں تقریریں کیں اور دہقانوں کا محبوب نمائندہ بن گیا۔ ایک مرتبہ اس نے یہاں تک کہہ دیا۔ ''خاک پڑے اس جینے پر جس جینے کے لئے ہمیں اپنے جیسے انسانوں سے کھل کر سانس لینے کی بھیک مانگنا پڑے۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ کہاں کا قانون ہے کہ ہمیں آنسو بہانے کے لئے بھی اسٹامپ پر ایک درخواست لکھ کر پیش کرنا پڑتی ہے اور ادھر سے جواب ملتا ہے نہیں۔ تم آنسو نہیں بہا سکتے، تم آنسو بہاؤ گے تو تمہاری آنکھیں پھوڑ دی جائیں گی۔۔۔ مگر آج میں ان عالیجنابوں کو جتا دینا چاہتا ہوں کہ تم پہلے آنسوؤں کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اب دل کا غبار نکالنے کے لئے تمہارے سامنے تمہاری اجازت کے بغیر یہ آنکھیں شرارے اگلیں گی اور یہ شرارے تمہارے خس و خاشاک پر گریں گے اور تمہارے خس و خاشاک میں گرتے ہوئے ان شراروں کو ہماری آہیں ہوا دیں گی اور جب شعلے بھڑکیں گے تو ہم ان شعلوں کے اردگرد ناچیں گے اور گائیں گے کہ:۔

یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں

اس روز پولیس بوڑھے کو گرفتار کر کے لے گئی۔ بڑھیا نے جب یہ خبر سنی تو دردآمیز حسرت سے چیخ کر بولی۔ ''اب میری باری ہے۔ میرا خدا مجھے بلا رہا ہے۔ میرا رسول ﷺ مجھے بلا رہا ہے۔ میرا دستگیر مجھے بلا رہا ہے۔ میرا محمد علی مجھے بلا رہا ہے۔ مجھے میرے بیٹے بلا رہے ہیں۔ مجھے میرا فرض بلا رہا ہے۔۔۔۔'' مگر اسی وقت ایک جہاندیدہ عورت نے اسے الگ لے جا کر سمجھایا کہ عورت کا سب سے بڑا

فرض اپنی امانت کی حفاظت ہے۔'' خدا اور رسول بھی اسی طرح خوش رہ سکتے ہیں کہ تو اپنی امانت کو گزند نہ پہنچائے۔ اور وہ امانت تیرے پیٹ میں ہے۔''

بوڑھے کو چھ ماہ قید بامشقت کی سزا ملی اور اس کے جھنڈے کو ایک اور مجاہد نے تھام لیا۔'' کاش اس وقت میرے بیٹے زندہ ہوتے!'' بڑھیا نے چھپ پر سے مسجد کے صحن میں بلند جھنڈے کو لہراتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا۔ اور جب بوڑھے کی رہائی میں صرف ایک مہینہ باقی رہ گیا تو اسے جیل ہی میں اطلاع ملی کہ جس وقت لوگ عید کا چاند دیکھ رہے تھے تو ٹھیک اسی وقت وہ ایک لڑکے کا باپ بنا۔ جیل میں مٹھائی تو خیر کیا بٹتی۔ البتہ اس نے مٹھائی سے بھی لذیذ چیز سے قیدیوں کا محظوظ کیا۔ اس نے اپنے ہم نصیبوں کو ایک مولود شریف سنایا۔

اللہ کی اس پیاری نگری میں دیر تو ہے اندھیر نہیں

'' چاند خان۔'' اس نے اندھیری کوٹھڑی کے تھڑے پر لیٹتے ہوئے کہا تھا۔'' میں اپنے ننھے کو چاند خان کے نام سے پکاروں گا۔ اور جب اس کی مسیں بھیگیں گی۔ جب اس کے سنہری مونچھیں اگیں گی تو میں اسے محمد علی کی فوج میں بھرتی کرادوں گا۔ پھر چاہے وہ دلی میں مارا جائے۔ چاہے فرانس میں چاہے۔۔۔۔ مگر نہیں۔ وہ نہیں مرے گا۔ چاند نہیں مرسکتا۔ چاند مرجائے تو دنیا رانڈ ہوجائے۔ چاند کیسے مرسکتا ہے؟''

'' چاند خان۔'' جیل سے باہر اس کے رشتہ داروں نے اسے ننھے کا نام بتایا اور وہ اس زور سے ہنسا کہ جیل صدر دروازے کی کھڑکی میں سے ایک ہراساں سنتری نکلا اور اس کے قریب آکر بولا۔'' ذرا ہولے ہنسو بھیا۔ صاحب بہادر نے سن لیا تو پھر ٹھونس دیں گے جیل میں۔''

بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔'' جو ساری عمر کیلئے خود ٹھنسے ہوئے ہیں جیل میں وہ دوسروں کو کیا ٹھونسیں گے۔ بے کالے خان۔ اب ہم آزاد ہیں۔ ہم چاہیں تو ہنستے ہنستے اپنے پھیپھڑوں کی دھجیاں اڑادیں۔ ہم ہنس رہے ہیں۔ خلافت کے جلسے میں تقریر نہیں کررہے۔ سمجھے کالے خان۔'' اور اس نے کالے خان کی بڑی بڑی مونچھوں پر سے چٹکی سے ایک تنکا اڑادیا۔

گھر آکر اس نے چاند خان کو اتنا چوما کہ وہ بلکنے لگا۔ مگر وہ پاگلوں کی طرح اس چومے جارہا تھا اور کہہ رہا تھا۔'' میں نے تیرے بڑے بھائیوں کو کئی بار پیٹا۔ آج جب مجھے وہ گوری گردنیں اور روشن آنکھیں اور بیضوی ٹھوڑیاں یاد آتی ہیں تو سوچتا ہوں میں نے انہیں کیوں پیٹا۔ میں تمہاری گردن اور آنکھوں اور ٹھوڑی پر بوسوں کا پہرہ بٹھارہا ہوں تاکہ جب میرا یا تیری ماں کا یا کسی اور کا ہاتھ طمانچے کیلئے اٹھے تو یہ بوسے اس ہاتھ کو ڈس لیں تو مارے جانے کے لئے نہیں پیدا ہوا۔ تو صرف مارنے کیلئے پیدا ہوا ہے۔ تجھے محمد علی اور گاندھی کی فوج میں بھرتی ہونا ہے۔''

'' ان کی تو آپس میں چل گئی۔'' چاند خان کی ماں بولی۔'' کل کی خبر ہے، بگڑ بیٹھے، محمد علی کہتے ہیں۔ گاندھی کٹر ہندو ہے۔ گاندھی کہتے ہیں۔ نہیں میں کٹر ہندوستانی ہوں اور انگریز خوش ہے اور۔۔۔۔''

'' اور ہم لٹ گئے۔'' بوڑھے نے چاند خان کو کھاٹ پر ڈالتے ہوئے کہا۔'' اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے تو ہم لٹ گئے۔ سارا

ہندوستان لٹ گیا۔مگر نہیں۔وہ شعلہ کبھی نہیں بجھ سکتا جوان بزرگوں نے ہمارے دلوں میں بھڑکایا ہے۔یہ شعلہ بجھ جائے تو آزادی رانڈ ہو جائے۔شعلہ کیسے بجھ سکتا ہے!''

یہ شعلہ بوڑھے کے دل میں برسوں بھڑکتا رہا۔جس روز چاند خان نے رام لال کے گھونسا مارا تو اس شعلے نے دھوئیں کا ایک طوفان اچھالا اور دھوئیں کا یہ طوفان اس نے پرشوتم داس کے سامنے اگل ڈالا اور جب اس واقعہ کے دو برس بعد اس نے سنا کہ محمد علی پردیس میں چل بسے تو اس بھوبھل پر ایک ایک بگولا جھپٹا۔چنگاریوں کا ایک مینار بلند ہوا۔یہ مینار اس کے ذہن کی وسعتوں میں رقصاں و جولاں رہا۔اس روز اسے کسی پہلو قرار نہیں ملتا تھا۔چاند کو دیکھ کر کہتا تھا۔ میرے بچے، تیرا سالار مر گیا۔'' اپنے اداس خلافتی ساتھیوں کو دیکھ کر کہتا تھا۔ ''میرے رفیقو، تمہارا سرپرست چل بسا۔'' مسجد میں جا کر مولوی صاحب سے کہا۔''میاں جی میاں ہماری ملت کا سہاگ لٹ گیا۔''

''کیا ہوا؟'' مولوی صاحب نے نسوار کی چٹکی کو نتھنوں کے رستے دماغ کے بعید ترین گوشوں تک چڑھا کر پوچھا۔

''آپ کو کچھ معلوم نہیں؟'' وہ تعجب سے بولا۔''محمد علی چل بسے!''

''وہی خلافت والے؟'' مولوی صاحب نے نسوار کی باقیات کو کاندھے پر پڑے ہوئے نیلے رومال سے رگڑتے ہوئے پوچھا۔

''جی وہی خلافت والے، شوکت علی کے بھائی۔''

''جنہوں نے انگریز سے روپیہ لے لیا تھا؟'' مولوی نے مسواک کو بالشت سے ناپتے ہوئے کہا۔۔۔

اور بوڑھے پر وحشت سی سوار ہو گئی، ''جی نہیں، جس نے کافروں سے آپ کی مسجدوں اور تسبیحوں کو آزاد کرانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔جسے آپ جیسے ملاؤں نے۔۔۔۔۔'' اس کی آواز بھرا گئی، اور منہ میں کپڑا ٹھونستا ہوا آنکھیں پونچھتا پلٹ آیا۔

سرما کی طویل راتوں میں جب کڑوے تیل کے دیے کی لو دھوئیں کی مخنی لہریں چھوڑتی، اور دیواروں پر ٹنگی ہوئی چنگیروں اور چھاجوں کے پیچھے ٹڈیاں سنگیت سبھا جماتیں، تو چاند کو اپنے پاس بٹھا لیتا، اسے خلافت کے زمانے کے قصے سناتا، اور اس سے وعدہ لیتا کہ جب ایک مرتبہ پھر یہ شعلہ بھڑکے گا تو وہ اس میں بے خوف کود جائے گا اور یہ نہیں سوچے گا کہ ابھی اس کی عمر چھوٹی ہے یا اس کے ماں باپ بوڑھے ہیں ۔۔۔۔۔۔اور میرے چاند۔سعلے کا کام صرف جلانا ہی نہیں، وہ کندن کو بھی جانتا ہے۔''

۱۹۳۹ء میں جب ہمیشہ کی طرح یورپ ہی کی تہذیب گاہ اور مغرب کے امن کدے سے جنگ کا غلغلہ بلند ہوا۔اور جب ہندوستان میں نئے سپاہیوں کی بھرتی شروع تو چاند ایک بانکا سجیلا گبرو تھا۔بوڑھے کو اس امر کا احساس تھا کہ دوران جنگ میں سپاہیوں کے والدین کو دنیاوی لحاظ سے ہر قسم کی سہولت میسر ہو گئی۔اور پھر چاند کی ملازمت کے بغیر اس کی شادی کا سامان بھی جمع کرنا مشکل تھا مگر تحریک خلافت کی آگ میں پکا ہوا دماغ ان مادی منفعتوں کے متعلق سوچنا تک گوارا نہیں کرتا تھا۔اس کے دل میں صرف ایک لگن تھی۔۔۔۔۔کاش وہ اپنے بیٹے کی تربیت کے خواب دیکھ لے اور جیتے جی ایک مرتبہ پھر محسوس کر سکے کہ ابھی غلاموں کے ذہن سے آزادی کا تصور محو نہیں ہوا۔اس راکھ میں ابھی کئی سخت جان چنگاریاں چمچما رہی ہیں جن کو ہوا دینے کے لئے ایک محمد علی ضرورت ہے!

اور وہ محمد علی ثانی اس کے ذہن کے افق پر طلوع ہو چکا تھا!

چند مہینوں میں گاؤں نوجوانوں سے بالکل خالی ہوگیا، چاند ویران گلیوں میں بے مقصد پھرتا، جو چوپال پر جاتا تو بوڑھوں سے بلغم کی زیادتی اور معدے کی کمزوری کے قصے سنتے سنتے تھک جاتا۔ باہر کھیتوں میں گھومتا رہتا۔ گھر آ کر بوڑھی ماں سے بے معنی باتیں کرتا۔ مدرسے سے منشی جی سے اخباروں کی اطلاعات سننے چلا جاتا، مگر جب رات آتی تو وہ اس انتظار میں رہتا کہ کب کھانے سے فراغت ملے اور وہ اپنے باپ کی پنڈلیاں دابے اور اس سے پوچھے۔ ''اچھا تو ابا پھر کیا ہوا؟ مولانا محمد علی نے پھر کیا حکم دیا؟''

ایک روز چاند نے منشی جی سے یہ خبر سنی کہ نئے محمد علی نے مسلمانوں کو جنگ میں پوری پوری امداد کی تلقین کی ہے اور کہا ہے کہ صرف جرمنی کی شکست ہی اسلامی ممالک کو آزاد رکھ سکے گی۔ بھاگا بھاگا گھر آیا۔ بوڑھا اس وقت مسجد جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ یہ خبر سن کر اچھل پڑا۔ ''ہم ہندوستانی تو خیر ہیں ہی قسمت کے بیٹے، لیکن یہ ترکی مصر اور عراق اور ایران۔۔۔۔۔ ان سب پر جرمنی کی نظر ہے کیا؟ ہمارا محمد علی ٹھیک کہتا ہے اور میرے بیٹے اب میں چاہوں بھی تو تجھے نہیں روک سکتا۔۔۔۔۔ پر میری ایک بات یاد رکھیو، تو چند کوڑیوں کے لئے جنگ میں نہیں جا رہا۔ تو ساری دنیا میں آزادی اور امن کا جھنڈا بلند کرنے جا رہا ہے۔''

وہ صبح بہت روشن اور چلبلی سی تھی، جب چاند اپنے والدین سے رخصت ہو کر گاؤں سے باہر آیا۔ کچھ دور جا کر اس نے پلٹ کر گاؤں پر ایک نگاہ ڈالی، اپنے مکان کی چھت پر اسے دو گٹھڑیاں سی پڑی نظر آئیں۔ اور اس نے پگڑی اتار کر ہوا میں اچھالی۔ ادھر سے بھی ایک گٹھڑی کھل گئی۔ اور ایک کپڑا ہوا میں پھڑ پھڑانے لگا۔ بھیگی ہوئی آنکھوں کو پگڑی سے پونچھتا وہ علاقہ کے صدر مقام پر آیا جہاں اس پر کئی شکاری جھپٹے، لیکن اس نے یہ کہہ کر سب کو مایوس کر دیا کہ وہ اسلام اور آزادی کے لئے اور اپنے محمد علی کی اجازت سے بھرتی ہو رہا ہے۔ ''اگر آپ کو کسی سند کی ضرورت ہے تو مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میرے معاملہ میں آپ کو مایوسی ہوگی۔''

جبل پور میں ابتدائی تربیت کے بعد اسے محاذ جنگ پر بھیج دیا گیا ادھر ہر مہینے گاؤں میں اس کی تنخواہ بوڑھے کو ملنے لگی اور بڑھیا نے کپڑوں اور زیوروں کے صندوقچے ٹھونسنے شروع کئے کہ جگہ رشتے کی بات بھی پکی کر آئی۔ خیالوں نے محل پر محل تعمیر کئے۔ مستقبل کے ویرانے میں امیدوں کے سرسبز پیڑ ابھرے اور ہر طرف آبادی ہی آبادی اور ہریالی ہریالی نظر آنے لگی۔

ان دنوں بوڑھے کا محبوب ترین مشغلہ مدرسے کے منشی جی اخباروں کی اطلاعات سننا تھا۔ دن بھر جو کچھ سنتا وہ رات کو بڑھیا کے حوالے کر دیتا۔ دونوں دیر تک نئے واقعات پر خیال آرائیاں کرتے۔ چاند کے لئے دعائیں مانگتے۔ دیئے کی لو کانپتی، چنگیروں کے پیچھے ٹڈیاں طویل الاپ چھڑتیں، باہر صحن میں نم کی شاخوں میں ہوا گاتی، چاند ابھرتا تو کواڑوں کی کھلی جھریاں نقرئی لکیریں بن جاتیں اور جو بھی موضوع چھیڑتے وہ ہر پھر کر چاند پر مرکوز ہو جاتا۔

''لاہور میں ہمارے محمد علی نے ایک بڑا جلسہ کیا ہے۔'' ایک روز بوڑھے نے کہا۔ ''انگریز کو بتایا ہے کہ ہندو مسلمان کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ ان کا مذہب، چال ڈھال، رہن سہن، لباس خوراک سب کچھ الگ ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ جہاں جہاں مسلمان زیادہ ہیں وہاں مسلمانوں کی حکومت ہو، اور جہاں جہاں ہندو زیادہ ہیں وہاں ہندوؤں کی حکومت ہو۔ اس طرح ہندوستان میں رہنے والے دو بھائی جو ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے ہیں الگ الگ ہو کر چین کی زندگی بسر کر سکیں گے۔''

''معقول بات ہے۔'' بڑھیا نے کہا اور اس کی مسکراہٹ کا محیط وسیع ہو گیا۔ ''جیتا رہے ہمارا محمد علی۔''

''جیتے رہیں وہ سب لوگ جو آزادی کے عاشق ہیں'' بوڑھا بولا۔

''اور جیتا رہے میرا چاند جسے سمندر پار بھی اپنا چاند تارا نہیں بھولا۔''

بڑھیا نے غرور سے کہا۔

''اری پگلی۔ چاند تارا زمین کی کسی نگری میں بھی نہیں بدل سکتا چاند ساری دنیا پر چاندنی نچھاور کرتا ہے۔ تارا ساری دنیا کے مسافروں کو راہ دکھاتا ہے۔ اور آسمان پر صرف ایک چاند ہے اور اس کے ساتھ رہنے والا صرف ایک تارا ہے۔۔۔۔ مگر تجھے کیسے معلوم ہوا کہ چاند سمندر پار بھی اپنا چاند تارا نہیں بھولا۔''

بڑھیا مسکراہٹ کو روکنے کے باوجود مسکرائے جا رہی تھی۔ ''مجھ نگوڑی میں یہ بڑی خرابی ہے کہ من کی بات نہیں چھپا سکتی تمہارے سامنے۔ اب کہہ ہی دوں ساری بات۔ آج چاند کا خط آیا ہے میں نے یونہی کھول لیا تو اوپر چاند تارے کا نشان بنا ہوا تھا تب سے ہنسی رکتی ہی نہیں کم بخت۔'' وہ بھاگ کر سرپوش میں سے خط نکال لائی۔ دونوں کھٹولے پر بیٹھ گئے۔ سبز روشنائی سے بنے ہوئے چاند تارے کو پہلے بوڑھے نے چوما پھر بڑھیا نے اور اس کے بعد بوڑھے نے خط پڑھنا شروع کیا۔

''بہت سی باتیں ہیں، جو لکھنا چاہتا ہوں، مگر لکھنے کی اجازت نہیں، صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ:۔

میں نے حضرت پیر دستگیر سبحانی کے روضہ مبارک کی زیارت کی۔

''تو پھر میرا چاند بغداد میں ہے۔'' بڑھیا نے مارے خوشی کے اپنے دونوں ہاتھوں کو جکڑ کر ٹھوڑی پر رکھ لیا، مگر بوڑھا خط پڑھتا گیا۔

''وہاں میں نے دعا مانگی کہ اے اللہ مجھے اپنے رسول پاک ﷺ اور اپنے اس نیک بندے کی برکت سے اس راہ پر قربان ہو جانے کی توفیق عطا فرما جو مجھے میرے ابا نے بچپن سے دکھاتے چلے آئے، اور ابا جان، جب میں یہ دعا مانگ چکا، تو مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے روضہ شریف میں مرحوم محمد علی تشریف لے آئے ہیں، اور میری دعا میں شامل ہو گئے ہیں۔''

خط پڑھتے پڑھتے بوڑھے کی آواز بھر آئی، اور وہ آنسو پونچھنے کے لئے ایک طرف پلٹا بڑھیا گھگھیا کر بولی۔ ''روتے کیوں ہو؟''

بوڑھا مسکرا کر بولا۔ ''تم بھی تو رو رہی ہو۔ ہم دونوں اس لئے رو رہے ہیں کہ ہمارا چاند سچ مچ کا چاند نکلا۔ اب وہ بڑھ رہا ہے، ابھر رہا ہے، اس کے نور سے ہمارے دلوں کی دنیا منور ہو رہی ہے، اب وہ پورا چاند بن جائے گا۔ اور جب وہ پورا چاند بن جائے گا۔۔۔۔'' بوڑھا گھبرا کر اٹھ بیٹھا، اور بڑھیا کے شکوک کو دور کرنے کے لئے ایک لمحہ میں فقرہ مکمل کرنے کے کئی طریقے سوچ لیے۔ وہ آخر بولا۔

''جب وہ پورا چاند بن جائے گا تو اپنے کو سورج کے حوالے کر دے گا۔''

''سورج؟'' بڑھیا چونک پڑی۔

''ہاں ہاں، ہمارا نیا محمد علی دنیا کا سورج ہی تو ہے۔'' بوڑھا کامیاب ہو گیا تھا اور بڑھیا چونکے ہوئے اعصاب کے تناؤ کو مسکراہٹوں

کی پھوار سے نرم کرنے لگی تھی۔

چانداب محاذ جنگ سے واپس آ کر کلکتے کی چھاؤنی میں مقیم تھا اور دو تین مہینوں کے اندر رخصت پر آنے والا تھا۔ بڑھیا نے اس کی شادی کی تمام تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ مکان کی سفیدی کر لی تھی۔ ابھرے ہوئے کنکروں کو ہتھوڑی سے نکال کر صحن کو آئینہ بنا لیا تھا۔ ہر ڈاک میں چاند کے خط کی توقع ہوتی اور جب خط نہ ملنے سے مایوسی ہوتی تو رات کو بوڑھے سے ملک کی نئی خبریں سن کر دل کو ڈھارس بندھاتی۔

مگر اب تو چند روز سے بوڑھا عجیب عجیب خبریں سنانے لگا تھا۔

''میں گاندھی جی کی اتنی عزت کرتا ہوں جتنی محمد علی کی، مگر جانے کیا بات ہوئی کہ گاندھی جی نے مسلمانوں سے مشورہ کئے بغیر ایک فیصلہ کر لیا ہے اور انگریز سے کہا کہ تم ہندوستان سے نکل جاؤ ورنہ تمہارے لئے اچھا نہیں ہوگا۔''

''آج انگریز نے کانگرس کے بہت سے سرداروں کو جیل میں بھیج دیا ہے۔''

''سارے ملک میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھی ہے، مگر مسلمان بالکل الگ ہیں۔ وہ کہتے ہیں، جب ہندو نے ہمارے ساتھ کوئی مشورہ ہی نہیں کیا، تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ اس کی آگ میں کود یں۔''

''ریل گاڑیاں پٹڑیوں سے اتر رہی ہیں۔ ڈاک خانے جلائے جا رہے ہیں، گولیاں چل رہی ہیں، کئی ہوائی جہازوں نے نیچے اتر کر مشین گنیں بھی چلائی ہیں۔ مگر ایک آگ ہے کہ پانی کا ہر چھینٹا اس پر تیل بن کر گرتا ہے۔''

''آج تین ریل گاڑیاں الٹ گئی ہیں، سوا سو مسافر مارے گئے۔ آج دو ریل گاڑیاں الٹ گئی اور آٹھ ڈاک خانے جل گئے، ایک اسٹیشن کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا۔''

''عجیب بغاوت ہے۔'' بڑھیا نے ایک روز کہا۔ ''کہ اپنے ہی غریب بھائیوں کو بغیر کسی نقصان کے موت کے گھاٹ اتار دو۔''

مگر بوڑھا ہر اساں سوالوں کا کوئی جواب نہ دیتا۔ اسے سیاسی معلومات پر بڑا ناز تھا مگر یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی کہ آخر ایک جماعت سے مشورہ کر لینا کیوں ضروری نہ سمجھا۔ تو پھر کیا اس کی اور چاند کی تمام قربانیاں اکارت جائیں گی، اس کے ذہن کی بساط پر توقعات کے تمام مہرے پٹ جائیں گے، اور زندگی اسی طرح پابجواں گھسٹتی کراہتی دم توڑ دے گی!

''گاندھی جی کیا کہتے ہیں اس بارے میں؟'' ایک روز بڑھیا نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا۔'' بوڑھا اس موضوع کو چھیڑنے سے کتراتا تھا۔

''بس اتنا سنا ہے کہ کانگرس کے ایک بڑے سردار انگریزی پڑھ رہے ہیں ایک صاحب ہمارے محمد علی کے خلاف ایک کتاب لکھ رہے ہیں، اور ایک اور صاحب انسانی زندگی کے ارتقاء پر بہت کچھ لکھ چکے ہیں، اور تھوڑا لکھنا باقی ہے۔''

''ارتقاء؟''

''ہاں۔ ارتقاء''

''یہ کیا بات ہوئی؟''

''کوئی بڑی چیز ہوگی، بڑے آدمی بڑی چیزوں کے بارے میں ہی سوچتے ہیں۔''

اسی وقت کواڑ پر کسی نے دستک دی بوڑھا بھاگ کر باہر آیا۔ قصبے سے ہرکارہ تار لے کر آیا تھا۔''کب آئے گا میرا لال؟'' بڑھیا نے ہرکارے کے کندھے کو جکڑتے ہوئے پوچھا۔ بوڑھے نے لفافہ چاک کیا بڑھیا لپک کر دیا اٹھا لائی، انگریزی تحریر کے نیچے لکھے ہوئے چند اردو حروف دیّے کی کانپتی لو میں کانپے:۔

''چاند خان چھٹی پر آ رہا تھا، بلوائیوں نے پٹڑی اکھیڑ لی تھی، اس لئے گاڑی الٹ گئی، اور چاند خان شدید زخموں کی وجہ سے مر گیا، حکومت آپ کے ساتھ ہمدردی کرتی ہے۔''

دیا دہلیز پر گر کر بجھ گیا۔ تار کے فارم کو تیز ہوا صحن کے ایک کونے میں اڑا لے گئی اور حیاتِ انسانی کا ارتقاء تکمیل کی آخری حدوں کو چھونے لگا!

www.HallaGulla.com
Virtual Home for Real People